زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے لوہا پیدا کیا، جس سے جنگی سامان تیار ہوتا ہے اور انسانوں کے درمیان کشت وخون ہوتا ہے۔ لیکن جنگ ظلم ونا انصافی کو مٹانے اور عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور اسی کے لیے ہونی ہی چاہیے۔ اس طرح اسلام نے جنگ کا مقصد متعین کر دیا۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لیے جنگ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۶۔ **مساوات:** اس کا مطلب ہے معاشرے کے تمام افراد کو برابر سمجھنا، معاشرتی سلوک اور انسانی حقوق میں ان کے درمیان فرق نہ کرنا۔ قومی اور قبائلی تعصّبات کو ختم کرنا اور صرف تقویٰ اور خدا ترسی کو وجہ فضیلت سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (الحجرات:۱۳) ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہو''۔ مساوات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ سبھی انسانوں کو وسائلِ حیات اور ذرائعِ معیشت سے فائدہ اٹھانے کے برابر مواقع حاصل ہوں: ھُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الاَرْضِ جَمِیعاً (البقرۃ:۲۹) ''وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں''۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ زمین میں اللہ نے انسان کے فائدے اور ضروریات کی تکمیل کے لیے جو بےشمار چیزیں پیدا کی ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ کچھ لوگوں کا اس پر اس طرح قبضہ کہ دوسروں کو ان سے استفادہ کے مواقع نہ ہوں اور وہ اپنا حصہ نہ پاسکیں، صحیح نہیں ہے۔

اسلامی سیاست کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس نے تمدنی ضروریات اور تقاضوں کے لیے بھی کوئی متعین نظام دیا ہے، جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ امن و امان کا قیام، بیرونی ممالک سے تعلقات، فوجی طاقت کا حصول، ریاست کی حفاظت، شہری اور انتظامی قوانین یا انتظامِ مملکت جیسے امور سے اسلامی سیاست بہ راہ راست بحث نہیں کرتی، البتہ عدل و انصاف

اورعوامی فلاح وبہبود جیسے اصول اور دفعِ ضرروجلبِ منفعت کی وہ پابند ہوگی۔

اسلامی سیاست پر جب گفتگو کی جاتی ہےتو اس کے اجتماعی نظم پر ہمارا زورصرف ہوتا ہےاور یہ جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کا سیاسی ڈھانچہ کیا تھا؟معیشت کے کیا اصول کارفرما تھے؟ حدود وقصاص کا نفاذ کن شرائط کے ساتھ تھا؟لیکن یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اسلامی سیاست صحیح معنیٰ میں اسی وقت برگ وبار لائے گی اوراس کے نتائج سامنے آئیں گے جب اس کے پیچھے خدا ترسی اور آخرت کی باز پرس کا یقین کارفرما ہو۔ جہاں سیاست مادی مفادات کے حصول کا ذریعہ نہ ہو، بلکہ احساس ذمہ داری سے آدمی لرزتا ہو، جہاں ابوبکرؓ وعمرؓ اورعثمانؓ وعلیؓ کا کردار ہو، جہاں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود یہ خوف دامن گیر ہوکہ ابھی حق ادا نہیں ہوا اور قیامت میں برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو اسی میں میری کامیابی ہے۔اس پہلو کونظر انداز کرنے کے بعد اسلامی سیاست ایک ڈھانچہ ہے،جس میں کچھ بہتر اعمال کاظہور تو ہوسکتا ہے،لیکن کل نتائج سامنےنہیں آسکتے۔

اسلام میدانِ سیاست میں ایک متبادل پیش کرتا ہے

اس وقت دنیا میں جو سیاسی بےچینی اور اضطراب ہے، طاقت ورقومیں کم زور قوموں کا جس طرح استحصال کررہی ہیں، امنِ عالم کو جو خطرات لاحق ہیں، اخلاقی قدریں جس طرح پامال ہورہی ہیں، اِن کی وجہ سے یہ احساس بہ ہرحال ابھر رہا ہے کہ ہمارے پولٹیکل سسٹم میں کوئی خرابی ہے،اسے بدلنا چاہیے۔کوئی ایسا نظام تلاش کرنا چاہیے جس میں ان مسائل کا حل ہو،لیکن کوئی متبادل حل ان کے پاس نہیں ہے۔ یہ بتایا نہیں جارہا ہے کہ جب تک خدا کا خوف نہ ہو، احساسِ ذمہ داری نہ ہو،کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔ اسلام اس میدان میں ایک متبادل پیش کرتا ہے۔یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر ہمیں اصرار کرنا چاہیے۔کہیے کہ ہمارے پاس ایک آئیڈیل ہے، ہماری گفتگو سے یہ پہلو ابھرنا چاہیے کہ ہمارے پاس متبادل ہے۔اس پر دنیا کوغور کرنا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

قانون سازی میں عدلیہ کا کردار

ڈاکٹر مقبول حسن

نظامِ عدل وقضا اور قانون کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیاءِ کرام کو اس وقت کی ضرورت کی مناسبت سے قانون عطا کیا اور معاشرے میں قیامِ عدل وقسط کی تعلیم دی۔ پیغمبرِ آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو تعلیم دی وہ قانونِ الٰہی اور تعلیماتِ عدل وقسط کی جامع واکمل صورت ہے۔

نظامِ عدل وقسط کی بنیاد قانون ہے اور اسلامی تصور کے تحت شریعتِ اسلامیہ نظامِ عدل وقضا کے لیے رہ نما اصول (Directive principles) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی قانون کی اساس قرآنِ مجید اور حدیث یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ یہ عدل وقسط کی تعلیمات اور قضا کی نظیروں سے بھری پڑی ہیں۔

'قانون' کی لغوی و اصطلاحی تعریف

قانون (Law) دراصل مغربی اصطلاح ہے۔ اسے بنیادی و اساسی قاعدے و ضابطے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں بھی بہت پہلے سے مستعمل چلا آرہا ہے۔ بنیادی طور پر یہ لفظ یونانی canan ہے، جو بگڑ کر عربی زبان میں قانون ہو گیا۔ بعض محققین کے نزدیک یہ لفظ دراصل رومی زبان سے آیا ہے۔ صاحبِ 'مختار الصحاح' تو اس لفظ کو عربی مانتے ہی نہیں، چنانچہ انھوں نے اس کو اپنی لغت میں لکھنے سے اجتناب کیا ہے۔ ا؎ اس کا مادہ 'ق۔ن۔ن' ہے۔ لفظ 'قانون' کے کئی معانی ہیں، مثلاً کسی چیز کی اصل، جڑ، بنیاد، قاعدہ، دستور، ضابطہ، آئین، طور طریقہ، روش، ڈھنگ وغیرہ۔ ۲؎ ڈاکٹر روحی البعلبکی کے مطابق اس کے معنی law, code and rule کے ہیں۔ ۳؎ المعجم الوسیط میں

لفظ 'قانون' کے لغوی اور اصطلاحی معانی یہ بیان کیے گئے ہیں:

القانون مقیاس کل شیء وطریقه وفی الاصطلاح أمر کلّی ینطبق علی جمیع جزئیاته التی تتعرّف أحکامها منه۔[۴]

قانون سے مراد کسی چیز کو ناپنے کا آلہ اور طریقہ کے ہیں اور اصطلاح میں قانون سے مراد ایسا امر کلّی ہے جو اپنی ساری جزئیات پر منطبق ہوتا ہو کہ جن کا حکم اس سے پہچانا جائے۔

ڈاکٹر سمیر عبد التناغو نے 'قانون' کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے:

''قانون اُن قواعد و احکام کا مجموعہ ہے جسے مملکت سوسائٹی کی تنظیم کے لیے نافذ کرتی ہے۔''[۵]

ڈاکٹر صبحی محمصانی لکھتے ہیں:

''آج کل لفظ 'قانون' کے تین معانی مستعمل ہیں: اس کا پہلا معنی، جو سب سے زیادہ عام ہے، یہ ہے کہ اُس سے خاص احکام شرعیہ کا مجموعہ مراد ہے۔ [اسی طرح کے معنی امام غزالیؒ نے بھی مراد لیے ہیں (المستصفیٰ: ۱/ ۸)] قانون کے دوسرے عام معنی آئین وضوابط کے ہیں، جیسے انگریز کا قانون یا قانون کا سبق وغیرہ۔ تیسرے معنی میں یہ لفظ ایک خاص صورت میں ہر اس قاعدے کے لیے بولا جاتا ہے جو معاملاتِ عامہ کے قواعد میں سے ہو، مثلاً مجلسِ نواب نے غلہ روکنے کا قانون بنایا۔''[۶]

مختصر یہ کہ 'قانون' دراصل اصولوں (Principles) اور ضابطوں (Rules and Regulations) پر مشتمل ایک ایسا اجتماعی نظام ہے جس کو کسی مقتدرہ ادارے یا حکومت کی طرف سے کسی معاشرے کو منظم (Regulate) کرنے اور اسے ضبط میں رکھنے (Control) کیے لیے وضع (To enact) اور نافذ (Impliment) کیا جاتا ہے اور اسی کی بنیاد پر اس معاشرے کے طرزِ عمل اور اجتماعی رویوں کا انحصار ہوتا ہے۔

اسلامی قانون

اسلامی قانون سے مراد ایسے قواعد وضوابط (Rules and Regulations)

ہیں جو انسانوں کی عملی زندگی کو منظم و منضبط کرنے کے لیے اسلام کے بنیادی و اصولی مصادر و ذرائع؛ قرآن و سنت سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کے مصادرِ اصلی سے مستنبط احکامِ شرعیہ کو اسلامی قانون کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی نے اس کا اصطلاحی مفہوم یہ بیان کیا ہے:

> 'اسلامی قانون' سے مراد 'شریعت' یعنی خدا کا قانون ہے، جو منزّل من اللہ، اکمل و کامل ہے۔ ۷؎

ڈاکٹر محمد امین قانون اور اسلامی قانون کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "'قانون' سے مراد ہمارے نزدیک 'قانونِ وضعی' یعنی انسان کا بنایا ہوا قانون ہوگا۔ اس کے برعکس 'اسلامی قانون' کا مطلب ہوگا وہ قواعد و ضوابط جو قرآن و سنّت اور اجتہادِ شرعی پر مبنی ہوں، خواہ انھیں حکومت نافذ کرے یا نہ کرے۔" ۸؎

اسلامی قانون سازی کے حدود اور دائرۂ کار

تشریع و قانون سازی کا اختیارِ مطلق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔ البتہ اسلام نے انسانوں کو اجتہاد کے اصول کے تحت محدود قانون سازی (Legislalion) کی اجازت و ترغیب دی ہے اور اس کے کچھ حدود متعین کیے ہیں، مثلاً:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول کے واضح احکام کے برعکس کوئی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔ یعنی جہاں نص موجود ہو وہاں قانون سازی کی گنجائش نہیں۔ ۹؎

۲۔ اصولِ 'اجتہاد' کے استعمال سے مندرجہ ذیل صورتوں میں قانون سازی ہو سکے گی:

الف: ترجیحی اجتہاد

اللہ اور اس کے رسول کے ایسے احکام جو قطعی اور واضح نہ ہوں اور ایک سے زائد تعبیرات کے متحمل ہو سکتے ہوں، ان میں سے کسی ایک تعبیر کو اختیار اور راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔

ب: قیاسی و تطبیقی اجتہاد

جن معاملات میں احکامِ شریعت سے مماثل احکام موجود ہوں ان میں نئے معاملات کو شریعت میں موجود پہلے معاملات پر قیاس کر کے ویسے ہی احکام کو ان نئے معاملات پر منطبق کیا جا سکتا ہے، یعنی قیاس و استنباطِ احکام کا عمل۔

ج: جن معاملات میں احکامِ شریعت موجود ہی نہ ہوں، ان میں دو راستے اختیار کیے جا سکتے ہیں:

[i] سابقہ اجتہاد کی پیروی

اگر فقہاءِ متقدمین نے اپنے اجتہاد و اجماع سے ایسے معاملات میں کوئی قانون سازی کی ہو تو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

[ii] ازسرنو اجتہاد

شریعت کے عمومی اصولوں، عرف و عادت اور تغیرِ حالات و زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے نئی قانون سازی کی ضرورت ہو تو وہ بھی کی جا سکتی ہے۔۱۰

اسلامی قانون سازی میں عدلیہ کا کردار

اسلام عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ اور برتر دیکھنا چاہتا ہے۔ موجودہ دور میں قانون سازی میں عدلیہ اور انتظامیہ کو ایک دوسرے سے الگ کیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم بعض اصولی باتیں پیش کرنا چاہتے ہیں:

عدلیہ اور قانون ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اس لحاظ سے اجتہاد اور قانون سازی میں عدلیہ کا اہم کردار ہے، بلکہ نظامِ عدل وقسط کو قانون ہی کے مطابق فریضۂ قضا ادا کرنا ہوتا ہے۔لہٰذا عدلیہ اور قضا میں قانون اور قانون سازی کی بحث بڑی اہمیت کی حامل ہے۔اگرچہ بنیادی طور پر (Substantially) نظامِ عدلیہ و قضا کا کام اجتہاد اور قانون سازی نہیں ہوتا، بلکہ قانون کی روشنی میں فیصلہ سازی ہوتا ہے، تاہم وہ اس سے بالکل الگ تھلگ بھی نہیں رہ سکتے۔ قاضی یا جج کو مقدمات کا فیصلہ کرنے میں بالعموم اور اکثر اوقات کئی معاملات کا فیصلہ کرنے میں ذاتی اجتہاد و

قیاس سے کام لینا پڑتا ہے، بالخصوص ایسے مسائل میں، جہاں کسی پیش آمدہ یا زیرِ فیصل معاملے میں سرے سے قانون میں کوئی واضح شِق موجود نہ ہو، یا قانون میں کوئی سقم ہو۔اسی طرح بعض اوقات قاضی یا جج کو کسی مبہم قاعدے قانون کی تشریح وتوضیح اورتعبیر interpretation of statute خود کرنی پڑتی ہے۔عدلیہ کا یہ پہلو یقیناً اجتہاد و قانون سازی کے عمل میں ایک اہم معاون عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔

اجتہاد اور قانون سازی میں عدلیہ کے کردار کے درج ذیل پہلو ہو سکتے ہیں:

۱۔تشریحی وتوضیحی کردار (Interpretational Judicial opinion)

قانون سازی مجلسِ شوریٰ یا پارلیمان کا حق ہوتا ہے اور قانون کی تشریح وتوضیح اعلیٰ عدلیہ کا۔عدلیہ یہ دیکھتی ہے کہ کوئی قانون بنیادی انسانی حقوق، اسلام یا ریاستی آئین کے خلاف تو نہیں ہے۔جس طرح حال میں پاکستانی پارلیمان کی طرف سے بنایا جانے والا نیا توہینِ عدالت کا قانون، جس کے مطابق صدر، گورنر، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ، وفاقی اور صوبائی وزرا پر توہینِ عدالت کا قانون لاگو نہیں ہو سکے گا، یعنی انھیں استثنا دے دیا گیا تھا۔سپریم کورٹ آف پاکستان نے اسے بنیادی انسانی حقوق، اسلام اور آئینِ پاکستان تینوں سے متصادم قرار دے کر ختم کر دیا۔اگر ایسا نہ ہو تو پھر قانون سازی کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ہر کوئی مرضی کی قانون سازی کرتا پھرے گا۔اس طرح عدالتی نظام بھی غیر مؤثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح مقدمات کے فیصلوں (عملِ قضا Judicial Proccess) کے دوران جج اور قاضی حضرات کو بھی غیر واضح نصوص وقوانین کی تشریح وتوضیح کرنا پڑتی ہے اور اپنے ذاتی اجتہاد یا دوسرے ججز یا ماہرینِ قضا و قانون سے مشاورت کے ذریعے ان کا مطلب ومقصد متعین کرنا اور صحیح فیصلے تک پہنچنا ہوتا ہے۔یہ سب بھی اجتہادی اقدامات ہیں۔اس کے نتیجے میں بھی عدلیہ کے ذریعے بہت سے قواعد وضوابط وجود میں آتے رہتے ہیں، جو کہ عملی طور پر آئندہ دوسری عدالتوں اور ججز کے لیے بہ طورِ نظائر (Precedents) کام آتے ہیں۔

۲-توسیعی کردار (Origional Judicial opinion)

اسی طرح عدالتی عمل کے دوران مقدمات کے فیصلے میں بعض اوقات قاضی و جج کو جب کوئی نصِ قانونی یا متعین ضابطہ نہیں ملتا تو انھیں اپنے ذاتی اجتہاد یا دوسرے ججز یا ماہرینِ قضا و قانون سے مشاورت کے ذریعے مناسب قانون و ضابطہ وضع کرتے ہوئے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ بھی اجتہادی کاوش ہے۔ اس کے نتیجے میں عدلیہ کے ذریعے بہت سے قواعد و ضوابط وجود میں آتے رہتے ہیں، جو عملی طور پر آئندہ دوسری عدالتوں اور ججز کے لیے بہ طورِ نظائر کام آتے ہیں اور قانونی نظام کا حصہ بن جاتے ہیں۔

عدالتی قانون سازی اور سنتِ رسول اللہ

حضرت معاذ بن جبلؓ والی مشہور حدیث قاضی کی ذاتی رائے سے اجتہاد و قیاس اور قانون سازی اور اس کی بنیاد پر فیصلہ اور پھر اس کے قابلِ نفاذ ہونے پر دلیل ہے۔

امام ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب 'المصنف' میں اس حدیث کو سندِ حسن سے بیان کیا ہے:

عَن مُعَاذٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ قَالَ: کیفَ تقضی؟ قَالَ: اَقضِی بِکِتَابِ اللّٰہِ، قَالَ: فَاِن لَم یکُن فِی کِتَابِ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَقضِی بِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰہِ، قَالَ: فَاِن لَم تَکُن سُنَّة مِن رَسُولِ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَجتَهِدُ رَائی، قَالَ: فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ”الحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰہِ.“[۱۱]

حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جب انھیں (یمن) بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا: تم کیسے فیصلہ کروگے؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی کتاب کے ذریعے۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں وہ حکم نہ پاؤ؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول کی سنت کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: اگر اللہ کے رسول کی سنت میں بھی نہ پاؤ؟ انھوں نے جواب دیا: تب میں خود اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر نبیؐ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندہ کو صحیح بات کی توفیق بخشی۔

حضرت عمر بن العاصؓ سے مروی یہ حدیث بھی عدلیہ کے اجتہاد اور قانون سازی کے پہلو پر دلیل ہے:

اذا حکم الحاکم فاجتهد فأصاب فله أجران، واذا حکم فاجتهد فأخطأ فله أجر۔۱۲؎

جب کوئی حاکم (قاضی) فیصلہ کرتا ہے اور فیصلہ کرنے سے پہلے (اس معاملے پر) غور وفکر (یعنی اجتہاد) کرتا ہے، پھر صحیح رائے پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے اور اگر وہ (اجتہادی) غلطی کرتا ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

عدالتی قانون سازی۔مشاہیرِ اسلام کی نظر میں

ڈاکٹر صبحی محمصانی اجتہاد کے معاملے میں عدلیہ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عصرِ حاضر میں اجتہاد کا لفظ اس خاص طریقِ کار کے لیے بولا جاتا ہے جو جج اپنے فیصلے کرتے وقت اختیار کرتے ہیں، خواہ اس کے ذریعے قانونی عبارتوں کی وضاحت مقصود ہو یا نصِ صریح نہ ہونے کی صورت میں یا نص کے صراحت طلب ہونے کی صورت میں ضروری حل تلاش کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے۔''۱۳؎

عالمِ اسلام کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اپنے خطباتِ بہاول پور میں تاریخِ فقہ کے مباحث میں قانون سازی کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قاضی اور مفتی قانونِ اساسی کی بنیاد پر ضروری قانون سازی تو کر سکتے ہیں، البتہ وہ نفاذ کی طاقت نہیں رکھتے۔وہ فرماتے ہیں:

> ''اسلامی معاشرے میں قانون بنانے کا کام کون کرتے ہیں اور قانون کو سمجھنے اور سمجھانے کا کام کون کرتے ہیں؟ یہ دو لوگ ہیں: ایک تو حاکمِ عدالت اور دوسرا جسے ہم مفتی کا نام دیتے ہیں، یعنی اس سے پوچھتے ہیں

کہ اس بارے میں کیا قانون ہے؟ اور وہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسلامی قانون یہ ہے اور یہ ہونا چاہیے، لیکن وہ اس کا نفاذ نہیں کرتا۔ حاکمِ عدالت کسی مقدمے میں فریقین کے مابین اس کا نفاذ کرتا ہے، لیکن مفتی قانون بتاتا ہے، قانون کا نفاذ نہیں کرتا۔ اس فرق کے باوجود دونوں ذیلی قانون سازی کا کام کرتے ہیں۔ اساسی قانون کی حیثیت تو قرآن وحدیث رکھتے ہیں، لیکن قرآن وحدیث ساکت ہوں تو اجتہاد کے ذریعے، استنباط کے ذریعے سے، یہ لوگ قانون معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' ۱۴؎

ڈاکٹر موصوف نے اپنے خطبے میں آگے فرمایا ہے کہ جن صورتوں میں فقہائ، مفتیوں اور قاضیوں کو قانون معلوم کرنے اور اسے ترقی دینے کی ضرورت پیش آئی، وہ قابلِ فیصل مقدمات کے مختلف نئے حالات اور رُودادیں ہوتی تھیں، جن کے متعلق قانون میں باقاعدہ نصِ صریح نہ ہونے کی صورت میں انھیں اپنے ذاتی اجتہاد (وضع قاعدہ و قانون) کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا تھا اور وہ فیصلے کرتے تھے۔ ان کے اس استنباطِ قواعد اور فیصلوں کی جب بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر ہوتی تو آپ یا تو تائید کرتے یا فوراً تصحیح فرماتے تھے۔ مثال کے طور پر چوری کے متعلق تو قانون تھا، لیکن کفن کی چوری کے متعلق قانون نہیں تھا، اسے ہمارے قاضی اور مفتی نے معلوم کیا۔ پھر وہ ہمارے قانون کا جزو بنا۔ ڈاکٹر موصوف نے قاضیوں کے نام حضرت عمرؓ کے ایک خط کا بھی ذکر کیا ہے، جس میں انھیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر انھیں فیصلے کے لیے قانون میں کوئی حکم نہ ملے تو صاحبانِ علم سے مشورہ کیا کریں اور محض اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کے بجائے مشورہ اور اجتماعی (Collective) اجتہاد سے کام لیں۔ ۱۵؎

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''اسلامی نظامِ قانون میں قاضیوں کے فیصلے ان خاص مقدمات میں تو ضرور قانون کے طور پر نافذ ہوتے ہیں، جن میں وہ کسی عدالت نے

> کیے ہوں اور انہیں نظائر (Precedents) کی حیثیت بھی حاصل ہوتی ہے، لیکن صحیح معنوں میں وہ قانون نہیں ہوتے۔ اسلامی نظام قانون میں قاضیوں کے بنائے ہوئے قانون (Judge Made Law) کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔"۱۶

ہمیں اس اقتباس میں مولانا کے آخری جملے سے اختلاف ہے۔گزشتہ صفحات میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اسلامی نظامِ قضا میں ججز اور قاضیوں کے بنائے ہوئے قانون (Judge made Law) کا تصور موجود ہے اور ایسے قواعد وضوابط ہمارے قانون کا حصہ ہیں۔

اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں اجتماعی اجتہاد کے ضمن میں عدالتی نظام کا بڑا اہم کردار رہا ہے اور اب بھی ہے۔

اجتماعی اجتہاد اور قانون سازی پاکستان میں

وفاقی شرعی عدالت پاکستان اور سپریم کورٹ کا شریعت اپیلٹ بنچ کا بھی اجتماعی اجتہاد و قانون سازی کے میدان میں ایک اہم کردار ہے، اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کا بھی یقیناً ایک بہت بڑا عدالتی پہلو ہے، جو اجتماعی اجتہاد و قانون سازی کی ہی ایک شکل ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر یوسف فاروقی عدالتوں میں اجتہادی کردار کے تناظر میں لکھتے ہیں:

> "ہمارے ملک کی اعلیٰ عدالتیں بھی اجتہادی عمل میں مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔علماء اور ماہرینِ فقہ و قانون کی مشاورت سے پیش آمدہ مسائل کا عدالتیں جائزہ لے کر اپنی ماہرانہ رائے کا اظہار کرسکتی ہیں۔ان کی رائے کو عوام میں وقعت حاصل ہوگی اور عدلیہ کے ذریعے اجتہادی عمل بھی آگے بڑھے گا۔اس سلسلے میں فیڈرل شریعت کورٹ کے بعض فیصلوں کو بہ طورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔"۱۷

عالمی اسلامی عدالت کی ضرورت

عالمِ اسلام کے لیے ہماری تجویز یہ ہے کہ ایک 'عالمی اسلامی عدالت' ہونی چاہیے، جو ایک طرف دنیا بھر میں مسلمانوں، خاص کر مسلم ممالک کے باہمی تنازعات و اختلافات کا فیصلہ کرے تو دوسری طرف اجتہاد واجماع (اسلامی قانون سازی) یا اجتماعی اجتہاد کے ضمن میں بھی ایک بڑا کردار ادا کرے۔ خاص کر فی زمانہ جب مسلمانوں کی عالمی طور پر کوئی مرکزی قیادت اور سیاسی وحدت نہیں ہے، اس کی شدید ضرورت ہے۔موجودہ عالمی عدالتِ انصاف سے مسلمان ملکوں کو انصاف کے حصول میں وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں، جو ہونی چاہئیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج سے چند سال قبل عالمی عدالتِ انصاف ہی کے ایک مسلمان جج جسٹس علی نواز چوہان نے ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن راولپنڈی بار کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ مسلم ممالک کو اپنی روایات اور تعلیمات کے مطابق علیحدہ عالمی اسلامی عدالتِ انصاف کی بنیاد رکھنی چاہیے۔[۱۸]

حواشی ومراجع

۱۔ رازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح (مترجم عبدالرزاق)، مطبوعہ، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۷۶۵

۲۔ دہلویؒ، سید احمد، فرہنگِ آصفیہ، مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور، جنوری ۱۸۹۸ئ، ج ۳، ص ۳۶۵، کیرانویؒ، وحیدالزماں، القاموس الاصطلاحی، مطبوعہ، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، س ن، ص ۳۵۹

۳۔ روحی البعلبکی، المورد، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ئ، ص ۸۴۶

۴۔ ابراہیم انیس، محمد خلف اللہ احمد، عبدالحلیم منتصر، عطیہ الصوالحی، المعجم الوسیط، ج ۲، طبع دار الدعوٰی، س ن، ص ۶۳۷